رادار



ساقی فاروقی

...... اور آنکھوں کے راداری پر
صرف تاریک پرچھائیاں ہیں......

ساقی فاروقی

رادار

۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۷ء



قوسین

لاہور

بار اوّل: ------- ۱۹۷۹ء

طابع : ----- سلیم و ریاض

مطبع :---- المعارف ، لاھور

خطاط : ---- انور حسین نفیسی ،

اپنی بیوی کے لیے

ترتیب

غیبت کا شامیانہ

یہ اُن چند ہم عصروں کے خطوط کے اقتباسات ہیں
جن کے مشوروں اور محبّتوں کی روشنی میں میری
شاعری اور زندگی کا سفر جاری ہے۔ ناموں کے اندراج میں
کسی خاص ترتیب کا خیال نہیں رکھا گیا ہے ـــــ ساقی

اڈرین ہنری
اطہر نفیس
آصف جمال
احمد ندیم قاسمی
اسد محمد خاں
باقر مہدی
خلیل الرحمٰن اعظمی
گوپی چند نارنگ
انتظار حسین
جمیل جالبی
منیر نیازی
جمال پانی پتی

جمال احسانی
مرغوب حسن
عبداللہ حسین
عزیز حامد مدنی
عمیق حنفی
نور جہاں ثروت
شمیم حنفی
سلیم احمد
شہریار
شمس الرحمٰن فاروقی
صلاح الدین محمود
وزیر آغا

ن ۔ م ۔ راشد

اڈرین ہنری (انگریز شاعر):

...... تمہاری نظم "امانت" ایک خوب صورت خیال ہے ، واقعی خوبصورت...

اطہر نفیس:

۱۔ سب سے پہلے تو اس مجموعے کا نام بدلو۔ "رادار" واہ وا کیا نام ہے۔ جدیدیت کی ماں.........

۲۔ تمہاری یہ نظم "مسٹر ماریا تیریزا" پہلی نظم "ایک سوّر سے" زیادہ بہتر اور بھرپور ہے۔ بے حد اچھی لگی......

۳۔ تمہارا وہ خط مل گیا جس میں تم نے میری تازہ ترغزل کو بہت سراہا ہے اور ہاں یہ کیا جہالت ہے کہ تم نے میری اس غزل کے بارے میں، جو تمام کی تمام تم پر ہے یا تمہارے کراچی آنے کے تاثر سے مالا مال ہے، یہ سمجھا کہ اس کا صرف ایک شعر ———

اتنے دن کے بعد تو آیا ہے آج ——— سوچتا ہوں کس طرح تجھ سے ملوں

تم پر ہے۔

۴۔... پچھلے دنوں تمہارے بارے میں کئی باتیں سوچتا رہا۔ راشد صاحب آئے۔ ان سے گفتگو ہوئی تمہارے بارے میں، مدنی سے ذکر رہا، عالی سے بات ہوئی جمال سے بات ہوئی تمہاری، سلیم بھائی (سلیم احمد) نے بہت پوچھا... کہیں ایسا تو نہیں کہ سوّر کا وہ باریک سا بال جو تمہاری آنکھوں میں تھا موٹا اور قوی ہو گیا ہے....

اگر جیتے ہو تو خط کیوں نہیں لکھتے، مر گئے ہو تو اس کی اطلاع کیوں نہیں دیتے...

۵-... تمہارا ٹی۔ وی کا پروگرام نشر ہوا۔ بہت پسند کیا گیا۔ تمہارے پرفارمنس سے کچھ لوگ بے حد مرعوب ہوئے، کچھ چڑ گئے ہیں....

۶-... تمہاری یہ غزل بہت کمزور ہے۔ اسے الگ سے نہ چھپواؤ۔ اس میں ایک دو قوافی بھی میرے نزدیک درست نہیں [۱]......

۷-... شعر و ادب کے اصل سرچشمے سے کٹ کر بھی تم نے شعر لکھے ہیں۔ یہ بات قابلِ تعریف سہی مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ تمہاری شعر گوئی میں واضح کمی آ گئی ہے.... سارے احباب تمہارے رَوّیوں سے مایوس ہیں۔ ہر سال وعدہ کرتے ہو کہ آ رہے ہو مگر نہیں آتے۔ اگر اس سال نہ آئے تو ہمیشہ کے لیے ہم لوگ تمہیں بھُول جائیں گے۔

۸-... اب میں تمہاری صورت دیکھنے کا بھی روادار نہیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تم مر چکے ہو۔ یہاں آئے بھی تو تم سے نہیں ملوں گا۔ ساقی فاروقی؟ ارے یہ کون صاحب ہیں؟....

۹-... تیرا خط ملا تو جی کا بوجھ ہلکا ہُوا، تو خط نہیں لکھتا تو میں منوں بوجھ تلے دب جاتا ہوں.... آ جا ورنہ مجھ کو ترس جائے گا....

۱۰-... جاں مہذب نہ ہوئی میں تھا برہنہ ایسا، جی خوش ہو گیا کیا اچھا شعر کہا ہے...

آصف جمال:

...تم جب تک یہاں تھے ہم لوگ ہنستے تھے، بولتے تھے، پڑھتے تھے، بحثیں کرتے تھے، تمہاری شخصیت بہت inspiring ہے اور اس میں "گویا" کر دینے والی طاقت ہے۔ وہ لوگوں کو جمع کیے رکھنے کا سلیقہ تم میں سے کسی میں نہیں۔ خدا کرے تم آتے

---

[۱] میں نے اطہر کے خط کے بعد یہ غزل جلا دی — ساقی

جاتے رہو۔

احمد ندیم قاسمی:

۱۔ ... بہت ممنون ہوں کہ آپ نے اپنے بارے میں اتنا کچھ لکھا... جی ہاں، میں شراب نہیں پیتا۔ دراصل میں نے بعض احباب کو شراب پینے کے بعد جس عالم میں دیکھا (بلکہ بھگتا) اُس نے مجھے اس چیز سے، صرف اپنی ذات تک، متنفر کر دیا۔ مگر جو پیتے ہیں وہ محض اس وجہ سے میرے نزدیک برے نہیں ہو جاتے کہ پیتے ہیں......
قتیلؔ صاحب کو آپ بحیثیت شاعر ناپسند کرتے ہیں تو اپنی رائے رکھنے کا آپ کو حق حاصل ہے......

۲۔ ... کراچی میں سنا کہ آپ یکایک، ایک دم بہت امیر* آدمی ہو گئے ہیں۔ بہت امیر آدمیوں سے مجھے خوف آتا ہے کیونکہ ان کی آنکھوں پر ایک عجیب سی جھلی چڑھ جاتی ہے جو خود انھیں دکھائی نہیں دیتی۔ میری دعا ہے کہ آپ آسودہ تو ضرور رہوں مگر اتنے بہت امیر بھی نہ ہوں کہ پہچانے ہی نہ جا سکیں......

۳۔ ... آپ سے مل کر ہم سب بہت خوش اور متاثر ہوئے تھے۔ آپ تو بہت محبوب قسم کے آدمی ہیں۔ آپ کو تو کراچی ہی کو آباد رکھنا چاہیے تھا۔ بہر حال یہ اطمینان ہے کہ آپ کہیں بھی ہوں آپ کو یہ یقین رہے گا کہ لاہور میں آپ سے محبت کرنے والوں کا ایک گروہ موجود ہے.....

۴۔ ... مجھ پر آپ کی شاعرانہ حیثیت، دوسرے بہت سے اہلِ قلم کے مقابلے میں، زیادہ واضح ہے......

---

* یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہو گی ——— ساقی

اسد محمد خاں:

کسی محبت وجبت کے چکر میں یہ خط نہیں لکھ رہا۔ اب خاصا شقی القلب اور یبوست المزاج آدمی بن گیا ہوں۔ اینڈی سائٹس کا علاج دریافت کر چکا ہوں چنانچہ اس آنت کو جس سے محبت کی جاتی ہے نکلوا دینے کے بعد اب افاقہ ہے .... تقریب اس خط کی یہ ہے کہ ایک شاعر کا ایک مجموعہ میرے پاس تھا جس میں سے دو نظمیں کراچی ٹیلی ویژن کے موسیقی کے پہلے رنگین پروگرام میں انتخاب کرنے کے بعد، شاعر واعظ کی اجازت وجازت کے بغیر، گوا دی ہیں .... اس سے پہلے تیری نظم "برف باری" بھی نشر کروا دی تھی .... اور سور سالے، حرامی تم نے پچھلے خط میں مجھے گالیاں کیوں نہیں لکھیں....

باقر مہدی:

۱-... پیارے ساقی، تمہارا گالیوں سے لبریز خط ملا، گالیاں وہ لوگ لکھتے اور بکتے ہیں جو احساسِ کمتری میں بُری طرح مبتلا ہوتے ہیں۔ تم مجھے بلا وجہ گالیاں کیوں دیتے ہو .... اور یہ جناب میں رعونت کس بات کی ہے کہ زبان خراب کرتے پھرتے ہیں۔ اسی لیے میں کسی پاکستانی شاعر کو خط نہیں لکھتا .... اور "حرامی" ذرا جلدی سے اپنی نظمیں بھیجو . . .

۲-... چند روز ہوئے تمہاری آواز دلّی کی اردو سروس سے سنی تھی۔ تمہاری نظم تمہارے روبرو سننے میں جو لطف آتا ہے وہ مزا ریڈیو پر کہاں مل سکتا ہے... میری ایک تقریر "پاکستانی نظم" پر اردو سروس سے نشر ہو رہی ہے۔ اس میں تمہارا خصوصی ذکر کر رہا ہوں ......

۳-... یہ آپ کی فراخدلی ہے کہ آپ نے میرے تمام مجموعوں سے صرف ۶ نظمیں پسند فرمائیں ....

۴۔ ... آپ کے ناول کے صفحات مل گئے۔ شایع کر رہا ہوں۔ گالیوں کو ذرا بدل دوں گا (اگر آپ یہ تبدیلی پسند کریں گے ورنہ ویسے ہی شایع ہوں گی)

۵۔ ... وارث علوی آئے تھے، میں نے آپ کے ناول کے صفحات انھیں پڑھنے کو دیے۔ ان کا خیال ہے کہ اس کی اشاعت سے آپ کی شخصیت مجروح ہو گی اس لیے افسوس ہے کہ ناول شایع نہ ہو سکے گا۔

۶۔ ... آپ کی دونوں نظمیں ملیں۔ مزا آگیا۔ بار بار پڑھا۔ مبارک باد قبول کیجیے ....

آپ محمود ایاز کو کیوں گالی دیتے ہیں، وہ تو ادب وغیرہ سے الگ زندگی گزار رہا ہے۔ عید مبارک۔

خلیل الرحمٰن اعظمی :

سچّی بات یہ ہے کہ میں تمھاری شاعری کا ہمیشہ سے قائل ہوں ... تم نے اپنے عہد کی شاعری کی ہے اور تازہ تر لہجے کی دریافت تخلیقی طور پر کرنے کی کوشش کی ہے۔ نئی شاعری کی ہوس میں شاعری کی نفی کرنے یا کسی فارمولے کو اوپر سے اوڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ میرے نزدیک تمھاری نئی شاعری کسی سنہ کی نئی شاعری نہیں ہے جو سنہ بدلنے کے بعد باسی معلوم ہو گی بلکہ یہ زندہ اور تناور درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں نیچے تک چلی گئی ہیں۔

گوپی چند نارنگ :

پیارے ساقی فاروقی۔ سب سے پہلے تو گلے لگ جاؤ کہ تم جیسا آدمی اس مدار پر گھومنے والی دنیا میں دوسرا پیدا نہیں ہوا... جی خوش ہوا کہ آپ ملک ہند و پاک فتح کرتے ہوئے انگلستان میں دوبارہ وارد ہو چکے ہیں۔ وزیر آغا صاحب اور انتظار حسین صاحب

کے خطوط بھی آئے تھے اور آپ سے رنگین ملاقاتوں کے تذکروں سے دونوں کے خط مہک رہے تھے۔

انتظار حسین :

میرے عزیز دوست ساقی فاروقی۔ میں بہت شکرگزار ہوں کہ تم نے باغِ فدک مجھے واپس کرنے کی نیت باندھی ہے..... میں تمھارا خط پڑھ کر حیران کم اور محظوظ زیادہ ہوا۔ تم نے بیس برس پہلے کی داد اب بتائی۔ اب جو داد دینی ہے اس کے لیے بھی بیس برس کی میعاد رکھی تو پھر ہماری قبر پر ہی داد کے ڈونگرے برسانے پڑیں گے..... تم نے کہا کہ گدر پستانوں اور رانوں کی مچھلیوں کا بھی کچھ تم پر حق ہے۔ میرے عزیز گدر پستانوں اور رانوں کی مچھلیوں پر بھی تو میرا کچھ حق تھا۔ انھوں نے وہ حق ادا کیا؟..... صلاح الدین محمود اب "سویرا" لانے ہی والے ہیں، تمھاری نظمیں پڑھوں گا تو ایک اور خط لکھنے کی تقریب پیدا ہو گی۔

جمیل جالبی :

راشد مرحوم پر آپ کا مضمون بہت دل چسپ ہے۔ آپ نے نہایت بے باکی سے سچی باتوں کو، اچھے سلیقے سے، بیان کیا ہے۔ مضمون پڑھ کر جی خوش ہو گیا..... رات ٹی وی پر آپ کا پروگرام دیکھا، بہت پسند آیا۔ خوش رہیے، آباد رہیے.....

منیر نیازی :

ساقی، تینوں کتابیں (راشد کی) P.I.A. سے بھیج دی ہیں، بزنس ختم۔ میری تازہ دو غزلیں سن.....

جمال پانی پتی :

..... پھر بڑے انتظاروں کے بعد تمہارا خلوص سے ڈبجتا ہوا خط آیا جس کے ایک ایک لفظ سے تمہاری محبت کی خوشبو پھوٹ رہی تھی ... تم آئے تھے تو یوں لگا تھا جیسے عمرِ رفتہ لوٹ آئی ہے۔ تم گئے تو اسے بھی ساتھ ہی لیتے گئے۔ جس شام تم ہم لوگوں سے وداع ہو کر لندن کو سدھارے تھے اس شام میں اور اطہر خاں (اطہر نفیس) ایک دوسرے سے لپٹ لپٹ کر ایک دوسرے کو (یا شاید اپنے ہی آپ کو) بار بار یہ شعر سناتے رہے :

گئے دنوں کا سراغ لے کر کدھر سے آیا کدھر گیا وہ
عجیب مانوس اجنبی تھا مجھے تو حیران کر گیا وہ

.... اسد کم کم ملتا ہے اور جمال احسانی — وہ تو تمہارا گھائل ہے پچھلے دنوں کچھ نئے شعر کہہ کر لایا تھا سنایا تو یہ کہہ کر کہ اسے کہتے وقت ساقی فاروقی میرے ذہن میں تھے .... تم کہتے ہو کہ میں اسے تمہارا مُرید کرا دوں حالانکہ تم تو پہلے ہی کمپا مار کے اسے ہم سے لے اُڑے ... اطہر خاں کہ اپنی غزلیں، محبوباؤں کے قصّے اور یاروں کے خطوط پوری بساط بچھا کر اور رنگ جما کر سنانے کے عادی نہیں تمہارا تازہ ترین خط لے کر آئے۔ تمہارا خط کھولا گیا اور رضا بیتِ نظم و نثر کو داد کے موتیوں میں تولا گیا۔ زندہ باد .....

جمال احسانی :

۱- .... پیارے ساقی بھیا۔ میرا شعر "ایڑی گھوم کے رہ گئی" آپ کی معرفت خاصا مشہور ہو گیا ہے۔ پچھلے دنوں پنڈی اور لاہور گیا تو سب آپ کا نام لے کر یہ شعر مجھے سنا رہے تھے ...... آپ کی حالیہ نظمیں بہت غور طلب اور بے حد اچھوتی ہیں.....

۲- .... تمہاری شاعرانہ حیثیت کو تسلیم نہ کرنا کفر ہے۔ میں اس معاملے میں بہت سیدھا سادا

ایک دوست نظم پڑھتا تھا دوسرے داد کے ڈونگرے اس پر برساتے تھے۔ شاید آواز آپ تک بھی پہنچی ہو۔ سب نے نظم کے موضوع کو اور پھر نظم کی treatment کو انوکھا اور بے حد خیال انگیز تصوّر کیا۔ پھر خورشید رضوی نے اپنی عینک کے شیشے درست کیے، جیلانی صاحب نے اپنی داڑھی پہ ہاتھ پھیرا، سجاد نقوی صاحب نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا اور انور سدید صاحب نے اپنے سر کو سہلایا اور گویا ہوئے: "اچھا تو اب ساقی بھی وہی سلوک چاہتے ہیں جو راشد کے ساتھ ہُوا؟" "جی ہاں"، خورشید رضوی بولے، "یہ نظم چھاپیے اور ساقی کے ساتھ" اوراق" سے بھی ہاتھ دھو ڈالیے" جیلانی صاحب نے بات میں اپنی چہکار ملائی: "ساقی تم انگلستان میں بیٹھ کر ایسی ہنگامہ خیز اور عقیدہ توڑ نظمیں بے شک لکھو لیکن یہاں انھیں چھپوانے کی سوچو بھی نہیں"..... لہٰذا نظم کو بہ حفاظت اپنے پاس رکھیے اور وقت کا انتظار کیجیے.....

۳۔ ..... ابھی ابھی آپ کا تازہ خط ملا۔ نظم (خرگوش کی سرگزشت) بہت اچھی ہے۔ خرگوش کو آپ نے اس لکیر کو پار کرتے دیکھا ہے جو لچھمن نے سیتا کے سامنے کھینچ دی تھی کہ یہ گرہستی کی لکیر ہے مگر سیتا کا تجسّس اسے مجبور کر کے پار لے گیا.... خوب صورت نظم ہے۔

ن۔م۔ راشد :

۱۔ ۳ جولائی ۱۹۷۵ء۔ تم نے مجھے اپنے دوسرے مجموعے "رازدار"[1] کا مسودہ

[1] راشد مرحوم کو "رازدار" کا جو مسودہ دیا تھا اس میں مجموعے کی وہ گیارہ نظمیں شامل نہیں تھیں جو میں نے پچھلے ۲½ سال میں کہی ہیں یعنی (۱) صبح کا شور (۲) اچنبھا (۳) ایک کتا نظم (۴) ایک سور سے۔ (۵) سسٹر ماریا تریزا (۶) خرگوش کی سرگزشت (۷) مجھے جزیرے ملے (۸) خالی بورے میں زخمی بلا (۹) بیساکھی (۱۰) شیر امداد علی کا میڈک (۱۱) شاہ صاحب اینڈ سنز — ساقی

۲- .... ہاں تمھاری نظم (خرگوش کی سرگزشت) نہایت عمدہ ہے۔ یہ تو میں نہیں کہوں گا کہ تمھارے پچھلے کلام سے بالکل مختلف ہے مگر جیسی شاعری یہاں ہو رہی ہے اس سے مختلف ہے اور تمھاری اپنی شاعری کی logical development مگر بہت خوشگوار ڈیویلپمنٹ ہے اور نہایت ہی عمدہ نظم ہے۔ پڑھ کر مزا آگیا۔

۳- ...سویرا نکل آیا ہے۔ تمھاری نظم کی بڑی دھوم ہے .....

۴- ...اب تمھارا مسودہ ٹائپ سٹنگ کے لیے دے دیا گیا ہے مگر ایک بات میں تمھیں بتادوں، تمھارا دیوان اس وقت تک ریلیز نہیں کیا جائے گا جس وقت تک تم ناول مکمل کر کے نہیں دو گے۔ تم شاعر لوگ اس قدر کاہل الوجود ہو کہ سو دو سو صفحے نثر کے لکھنے سے جی چراتے ہو۔ ہتھ تھو تھو۔ ذرا دانت پر دانت جما کے ناول مکمل کر دو۔ اس میں تمھارا ابھی بڑا فایدہ ہے اردو میں کوئی اوّل درجے کا شاعر ایسا نہیں ہوا جس نے ایک اچھا ناول بھی لکھا ہو.....

۵- .... ؎ ... ساقی کے پیچھے پڑ کے ساقی سے ناول مکمل کروا دو ...... کراچی میں اس کا ناول دوبارہ سننے کے بعد میں واقعی سمجھتا ہوں کہ یہ ایک بہت اچھے ناول کی ابتدا ہے کاش وہ اسے اسی طرح ختم بھی کر دے....

عزیز حامد مدنی :

ڈیر ساقی۔ تم نے اتنی لمبی مسافت طے کی تھی، کچھ دن ٹھہرتے تو باتیں ہوتیں مگر تم بیٹسی کے اس زاویے کی تلاش میں تھے جس سے شہرت تو مل جاتی ہے فکر نہیں ملتی۔ بہرکیف اچھا ہوا کہ تم آئے.......

؎ میری بیوی کے نام عبداللہ کا ایک خط ——— ساقی

عمیق حنفی :

۱۔ ..... تم کس کس بات کی داد چاہتے ہو تمہاری نظموں میں فارم اور زبان کی سادگی اور لَے کی زوری تو ایسی ہوتی ہے کہ اچھے اچھوں کے ہوش اُڑ جائیں "سٹر ماریا تیریزا" میں نے جس حرامی پن کو روحانیت اور تقدیس کی سطح پر خالص شاعری میں تبدیل کیا ہے وہ تمہارا ہی حق ہے۔ خاص طور پر زبان کا استعمال جس تخلیقی انداز سے ہوا ہے، قابلِ تعریف ہے ...

۲۔ ..... تمہارا النصف النصف خط ملا۔ یہ بے تکلفی، یہ بے ساختگی کہاں سے لاؤں، دو چار ملاقاتیں، ایسا معلوم ہوتا ہے محاصلِ مسافتِ عمر بن گئیں۔ خدا تمہیں، تمہاری زندہ دلی اور گستاخ مزاجی کو تر و تازہ رکھے۔

نور جہاں ثروت :

.... آپ خوش قسمت ہیں۔ شہرت میں بھی کسی سے پیچھے نہیں۔ اپنی منفرد آواز رکھتے ہیں (جس کا عام طور پر اردو والوں میں فقدان ہے) اگر شاعری آپ سے اپنا حق مانگتی ہے تو کیا برا کرتی ہے۔ البتہ نہ مانگے تو اس کی کج فہمی ہے .... "پیاس کا صحرا" ایک سیٹھ صاحب کے ہاتھوں پاکستان سے پہنچ گئی۔ روح پھڑک اٹھی۔ واللہ کیا نظمیں ہیں۔ کیا زبان اور کیسا خوب صورت انداز۔ مگر آپ کا شکریہ ہر گز ادا نہیں کروں گی ...

شمیم حنفی :

...... میں تم پر مفصل لکھنا چاہتا ہوں اور منتظر ہوں کہ "پیاس کا صحرا" اور "زاد راہ" دونوں سامنے ہوں۔ ایک مجموعہ مضامین "اقبال اور اس کے بعد" ترتیب دے رہا ہوں۔ تم پر مضمون اس کتاب میں شامل ہوگا ..... "اظہار" میں "خرگوش کی سرگزشت" پڑھی۔ زندہ باد۔ ایسی نظم تم ہی کہہ سکتے ہو ....

سلیم احمد :

اے جان اب کی تو نے ایسے زخم لگائے کہ جاں بری مشکل ہے۔ جب تک تو یہاں تھا گرم گھاؤ میں پتہ نہیں چلا لیکن تیرے جاتے ہی عجیب سی کیفیتیں محسوس ہونے لگیں۔ کئی دن تک اُداسی نے ایسا غلبہ کیا جیسے نہ جانے کون سی چیز گم ہو گئی ہے۔

شہریار :

...... میاں یہ نصیحت کا کاروبار کب سے کرنے لگے۔ مانا تم مجھ سے بڑے شاعر ہو لیکن عمر میں دو چار ماہ مجھ سے چھوٹے ہی ہو گے۔ تم نے دنیا دیکھی ہے تو میں نے دنیا برتی ہے... اپنی ایک ایک چیز مجھے بھیجتے رہو۔ تمھاری شاعری پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے.......

شمس الرحمٰن فاروقی :

..... تم سالے دلی آئے لیکن میں تم سے نہ مل سکا میری بدنصیبی تھی جس کا غم آج تک ہے۔ یہاں تم نے خوب خوب جھنڈے گاڑے، شاعری، نزاوت، شعر، حاضر جوابی، خوب صورتی، شراب نوشی، ہر چیز میں تم نے دلی والوں کو متحیر کیا...

صلاح الدین محمود :

۱... پروف دیکھتے ہوئے ایک بار پھر مجھ پر اس نظم (امداد علی کا میٹرک) کی خوب صورتیاں کھلیں.......

۲۔ آپ کے ساتھ گزاری ہوئی وہ شام اکثر یاد آتی ہے۔ کبھی کبھی دل بے اختیار چاہتا ہے۔ وہ لمحات واپس آجائیں.... انتظار حسین، احمد مشتاق، اکرام اللہ

مَوت کی خُوشبو

جُدائی

محبت کے دریائے خوں کی

معاون ندی ہے

وفا

یاد کی شاخِ مرجاں سے

لپٹی ہُوئی ہے

دل آرام و عُشّاق سب
خوف کے دائرے میں کھڑے ہیں
ہواؤں میں بوسوں کی باسی مہک ہے
نگاہوں میں خوابوں کے ٹُوٹے ہُوئے آئنے ہیں

دِلوں کے جزیروں میں
اشکوں کے نیلم چھُپے ہیں
رگوں میں کوئی رودِ غم بہ رہا ہے

مگر درد کے بیج پڑتے رہیں گے
مگر لوگ ملتے بچھڑتے رہیں گے

یہ سب غم پُرانے
یہ ملنے بچھڑنے کے موسم پرانے
پرانے غموں سے
نئے غم اُلجھنے چلے ہیں
لبوں پر نئے نیل
دل میں نئے پیچ پڑنے لگے ہیں
غنیم آسمانوں میں
دشمن جہازوں کی سرگوشیاں ہیں
ستاروں کی جلتی ہوئی بستیاں ہیں
اور آنکھوں کے رادار پر
صرف تاریک پرچھائیاں ہیں

ہمیں موت کی تیز خوشبو نے پاگل کیا ہے
امیدوں کی سرخ آبدوزوں میں سہمے
تباہی کے کالے سمندر میں
بہتے چلے جا رہے ہیں
کراں تا کراں
ایک گاڑھا کیلا دھواں ہے
زمیں تیری مٹی کا جادو کہاں ہے؟

پڑھنے کو دیا۔ تمہارا ممنون ہوں۔ تمہاری شاعری میں مجھے جو غیر معمولی اُپج نظر آتی ہے اس سے میں ہمیشہ متاثر ہوا ہوں۔ اس مجموعے میں جو نظمیں تم نے شامل کی ہیں وہ بے حد دلآویز ہیں لیکن اتنی بھرپور نہیں جتنی پہلے مجموعے کی بیشتر نظمیں تھیں۔ "پیاس کا صحرا" میں ایک خاص قسم کی کھنک اور چمک تھی جو نئے مجموعے کی نظموں میں کم ہوتی چلی گئی ہے۔ شاید عمر کا تقاضا ہو یعنی جیسے جیسے عمر بڑھتی گئی بعض غیر ارادی اظہار، ارادی اظہار کی طرف مائل ہوتے چلے گئے اور یہ کوئی نرالی بات نہیں پھر "پیاس کا صحرا" میں بڑا تنوع ہے جو "رادار" میں کم ہو گیا ہے۔ تمہاری شاعری کلیشوں سے تو تقریباً پاک ہے لیکن بعض الفاظ اپنے ہی تم نے خاصے دہرائے ہیں خاص طور پر "رادار" میں۔ مثلاً نیند اور خواب، آواز، لہو (یا خون) وغیرہ۔ یہ بھی چنداں عیب کی بات نہیں۔ انھی الفاظ کی تکرار سے اسلوبِ بیان (انفرادی اسلوبِ بیان) متعین ہوتا ہے لیکن ان الفاظ کا دہرانا خطرے سے خالی نہیں۔ انھی سے تمہارے بعض (سب نہیں) نفسی تقاضوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ تمہارے پہلے مجموعے سے میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ تمہارا جذبۂ غالب خوف ہے اور اسی خوف کے باعث اپنے آپ سے عشق بھی۔ جیسے کوئی بجلی کے ڈر سے اپنے آپ ہی سے لپٹ جائے! "رادار" میں یہ خوف کم ہو گیا ہے۔ مجھے افسوس ہوا کہ تم اپنی تمام تر انفرادیت کے باوجود اکثر محض رسماً ہی غم کا ذکر کرتے ہو اور صرف ذکر کرتے ہو۔ کوئی فلسفہ بیان کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ غم کو "فلسفیانے" کی کوشش ظاہر ہو تو پھر بھی شاعر کو معاف کرنا آسان ہے۔ ورنہ یہ ایک رسمی تکرار رہ جاتی ہے اور یہ تصور کر لیا جاتا ہے کہ غم والم کے اظہار سے شعر میں ایک قسم کا جذباتی علو پیدا ہو جائے گا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ معلوم نہیں ہمارے سب شاعر (ولی سے لے کر تمہارے تک) کیوں غم اور الم سے دامن نہیں بچا سکتے؟

.... ان سب باتوں کے باوجود جانتے ہو میں تمہاری شاعری میں کن چیزوں

کا مدّاح ہوں؟ سب سے پہلے تمھاری سوچ اور حساسیت کا جو انوکھی اور نرالی ہے۔ نئے شاعروں نے سوچ اور حساسیت کے نئے نئے پہلو دریافت کیے ہیں۔ تم ان سب سے زیادہ زندہ تر اور تازہ تر حساسیت اور سوچ کے مالک ہو۔ تمھیں قوتِ باصرہ اور قوتِ سامعہ بے حد تیز نصیب ہوئی ہے۔ حسِ لامسہ بھی دوسروں کے مقابلے میں (اگرچہ مقابلہ کرنا کوئی تنقید نہیں لیکن اس کے بغیر بات ادھوری رہ جاتی ہے) تیز ہے۔ نہ صرف تم اشیاء کو لمس کرتے ہو بلکہ اشیاء تمھیں لمس کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ اس میں وہ لذت نہیں پاتیں۔ کبھی حیرت زدہ ہو کر رہ جاتی ہیں اور کبھی ڈر کر ہٹ جاتی ہیں ......

۲۔ تمھاری اور میری عمر میں جو فاصلہ ہے وہ اپنی جگہ لیکن تمھاری اور میری سوچ میں تفاوت رہ نسبتاً کم ہے۔ اس میں مَیں گویا اپنی جوان فکری کو داد دے رہا ہوں تم پر کسی کہنہ اندیشی کا الزام ہرگز نہیں۔ میں تمھارا خاص طور پر اس لیے قائل ہوں کہ تمھارا ذہن اور نوجوان شاعروں کے مقابلے میں اکثر نفسی موانع سے آزاد ہے اور تم بے دھڑک بات کہتے ہو جو ایک طرح سے اس نیاز مند کا وطیرہ بھی رہا ہے۔

فٹ نوٹ

اِن خطوں سے وہ حصے نکال دیے گئے ہیں جو بہت نجی تھے یا جن میں کچھ پردہ نشینوں کے نام آتے تھے۔

ساقی

۷۷ — ۱۲ — ۳۱

محاصرہ

خوف کی بالکنی
بالکنی پر یہ سرکتی ہوئی پرچھائیں مری
سامنے بالکنی کے نیچے
برف میں لتھڑا ہوا
روشنی روتا ہوا بلب ابھی زندہ ہے
ایک احساس زیاں باقی ہے

رات کے زینۂ پیچاں سے اترنے لگی تنہائی مری
اس کے کتبے پہ تباہی کا یہ تازہ بوسہ
صرف بوسے کا نشاں باقی ہے
نیم جاں دائرۂ نوحہ گراں باقی ہے

روح کے تار کھنچے ہیں جن پر
وقت وامانده پرندے کی طرح

مَوت کی خُوشبو

جُدائی

محبت کے دریائے خوں کی

معاون ندی ہے

وفا

یاد کی شاخِ مرجاں سے

لپٹی ہُوئی ہے

دل آرام و عُشّاق سب
خوف کے دائرے میں کھڑے ہیں
ہواؤں میں بوسوں کی باسی مہک ہے
نگاہوں میں خوابوں کے ٹُوٹے ہُوئے آئینے ہیں
دِلوں کے جزیروں میں
اشکوں کے نیلم چھُپے ہیں
رگوں میں کوئی رودِ غم بہ رہا ہے

مگر درد کے بیج پڑتے رہیں گے
مگر لوگ ملتے بچھڑتے رہیں گے

یہ سب غم پُرانے
یہ ملنے بچھڑنے کے موسم پرانے
پرانے غموں سے
نئے غم اُلجھنے چلے ہیں
لبوں پر نئے نیل
دل میں نئے پیچ پڑنے لگے ہیں
غنیم آسمانوں میں
دشمن جہازوں کی سرگوشیاں ہیں
ستاروں کی جلتی ہوئی بستیاں ہیں
اور آنکھوں کے رادار پر
صرف تاریک پرچھائیاں ہیں

ہمیں موت کی تیز خوشبو نے پاگل کیا ہے
امیدوں کی سرخ آبدوزوں میں سہمے
تباہی کے کالے سمندر میں
بہتے چلے جا رہے ہیں

کراں تا کراں
ایک گاڑھا کیلا دھوّاں ہے
زمیں تیری مٹی کا جادو کہاں ہے؟

زوال

ہر طرف بڑھتے ہوئے شور سے
گھبرائے ہوئے
آگ کے سامنے
کمھلائے ہوئے

ایک بیرک میں چھپے
آج بیز پیتے رہے
روح کی اوٹ میں
پرچھائیں کوئی پھرتی رہی
برف ذی روح نباتات پہ
فالج کی طرح گرتی رہی

محاصرہ

خوف کی بالکنی
بالکنی پر یہ سرکتی ہُوئی پرچھائیں مری
سامنے بالکنی کے نیچے
برف میں لیتھڑا ہُوا
روشنی روتا ہُوا بلب ابھی زندہ ہے
ایک احساس زیاں باقی ہے

رات کے زینہ پیچاں سے اترنے لگی تنہائی مری
اس کے کتبے پہ تباہی کا یہ تازہ بوسہ
صرف بوسے کا نشاں باقی ہے
نیم جاں دائرۂ نوحہ گراں باقی ہے

روح کے تار کھنچے ہیں جن پر
وقت وا ماندہ پرندے کی طرح

ل

ٹ

ک

ا

ہوا چیختا ہے

موت اطراف و جوانب میں
کسی وحشی درندے کی طرح پھرتی ہے

جسم کے چاروں طرف
درد کی تاریک فصیل
ذات کے حبس میں کمھلا گئی آواز مری
غم کی یلغار سے دل بند ہوا

قلب بے پیوندیٔ اربابِ الم تو ہو گی
شہر میں کوئی دھڑکتا ہوا دل ___
___ دل کی کوئی تازہ قلم تو ہو گی

باکرہ

..... اور چادر پر شب باشی کا زندہ لہو تھا
اس نے اُٹھ کر انگڑائی لی
آئینے میں چہرہ دیکھا
سرشاری میں اطمینان کی ٹھنڈی سانس لی
اس کی تھکی ہُوئی آنکھوں میں
دیوانی مغرور چمک تھی
فتح کے نشّے سے پلکیں بوجھل تھیں
اس نے سوچا ہائڈ پارک میں
جو لڑکی اک جاسوسی ناول میں ڈوبی
اسے ملی تھی

وہ تو جیسے فاختہ نکلی
اس نے اپنی سکس اپیل کا کیا مارکے
رام کیا تھا
اس کی لچھے دار انوکھی باتیں سُن کر

سی سِک

ایک جہاز کے بار میں بیٹھا
سوچ رہا ہوں
جو لڑکی کل رات مری کیبن میں رہی
اس کی جگ مگ ناف کے نیچے
بال سنہرے تھے

شارک کی صُورت
گزر رہی ہے سب میرین کوئی
اور لبوں پر پھیل رہا ہے
سی سِک نس کا زہر

باکرہ

..... اور چادر پر شب باشی کا زندہ لہو تھا
اس نے اُٹھ کر انگڑائی لی
آئینے میں چہرہ دیکھا
سرشاری میں اطمینان کی ٹھنڈی سانس لی
اس کی تھکی ہوئی آنکھوں میں
دیوانی مغرور چمک تھی
فتح کے نشّے سے پلکیں بوجھل تھیں
اس نے سوچا ہائیڈ پارک میں
جو لڑکی اک جاسوسی ناول میں ڈوبی
اسے ملی تھی

وہ تو جیسے فاختہ نکلی
اس نے اپنی سکس اپیل کا کیا مارکے
رام کیا تھا
اس کی لچھے دار انوکھی باتیں سُن کر

اس کے ساتھ چلی آئی تھی
صبح سویرے
چائے بنا کر
بوسہ دے کر
چلی گئی تھی

وہ تو سچ مچ باکرہ نکلی
(ورنہ سولہ سترہ برس کی لڑکی حرافہ ہوتی ہے)
اس نے سوچا
اس نے شب بھر
بند کلی پر
اک زنبوری رقص کیا تھا
اور چادر پر اتنا لہو تھا
جیسے پچھلی جنگِ عظیم
اِسی بستر پر لڑی گئی تھی
اس نے اپنی مونچھوں کے گچھے میں
اپنی ہنسی دبائی
ایک خیال سے
آنکھوں میں سایہ لہرایا
سر چکرایا......
یہ تو اُس کی مہواری کا مردہ لہو تھا
جو چادر پر پھیل گیا تھا!

داشتہ

وُہ بہت تنہا تھا
اُس نے
اپنی نامردی کے
ٹوٹے استرے سے
اپنی شہ رگ کاٹ لی

اس کے مرنے کا شگون اچھا ہے
دل مَیلا نہ کر
بیوگی کی چیپٹی چادر پر
اپنے صبر سے کر استری
استری کر کے
فراموشی کی الماری میں پھینک
خوف سے چھٹّی ملی ہے
تو منا یومِ نجات
خاطرِ دنیا نہ کر
یہ بدن شاداب ہے
بیکار واویلا نہ کر

پیراسائٹ

جو سہاگن بیل
برسوں جان رس پیتی رہی
وہ بدن کے موسموں کی آگ سے
کمھلا گئی
رات کی چمپئی سے اتری ہے نجات
پھر محبت اپنے جادو گھر میں
تنہا ہو گئی
اپنی خوشبو سے لپٹ کر سو گئی

پوسٹر

یاد کی دیوار ہے
دیوار پر اک پوسٹر
اور پوسٹر میں کامنی ــــــ

سبز آنکھیں
بے کراں آنکھیں تری
کلبۂ نسیان میں
اور برف کے طوفان میں
دُھندلی ہوئیں، خالی ہوئیں

یہ فنا کے گرم بوسوں کے نشاں
جل گیا مٹّی کا رس
رائگاں سب رائگاں

دلاسا

مت پوچھ کہ دنیا میں ہوا کیا
میں اُڑتا ہوا رنگ ہوں
شعلے کے ذخیرے سے مِلا کیا
تو ٹھیری ہوئی لہر ہے
بہتے ہوئے ساحل سے گِلہ کیا

درختوں کے درمیان

یہ سماں لازوال کیوں نہیں
حرصِ مال و منال کِس لیے

دیودار کے جنگلوں میں

سائے کی طرح گھومتے ہوئے
واپسی کا خیال کِس لیے

نامحرم

رس بھری مہک اُڑی
اُس کی پور پور سے
نیند میں بسا ہُوا
اُس کا مطمئن بدن
ناف تک کھُلا رہا
اور بے حسی کی اوس
میری خواہشات پر، ،
بے تہی کے وار سے
میں لہولہان تھا
بے دلی کے تار سے
روح تھی بندھی ہُوئی
مَیں تو اپنے دھیان کے
ملگجے غُبار میں
دوسرے کے ساتھ تھا

شہرِ آئندہ کے دروازے پر

ایک پاگل کی صورت کھڑا ہوں مگر
سنتری مسکراتا نہیں
اس کی بے رحم آنکھوں میں
چیتے کی عیّار ———
——— بیمار نظروں کی ٹھنڈی چمک
پاس ورڈ
(اسمِ اعظم سہی)
یاد آتا نہیں

فرار

شام شام باولے
خواب کے عذاب سے ڈرے ہوئے
پور پور نیند سے بھرے ہوئے
بار بار سوچتے رہیں
رات ہو تو رات کاٹ دیں
حجلۂ ملال میں
خیمۂ خیال میں
دن پکارتا رہے ؛

شام شام باولے . . . .

دُعا

خواب تک آنکھوں سے اوجھل ہو گئے
یہ شبیہوں کا گھنا جنگل ——— یہ شام

——— کھونے والے کھو گئے

اپنی پرچھائیں. دکھا دے ایک روز
لوگ افسانوں سے پاگل ہو گئے

امانت

اک قصبے کے
اک اسکول میں
اک لڑکے نے
تھکی ہوئی اک تتلی پکڑی تھی
اور رہائی کی کوشش میں
اس تتلی کے پروں کا اودا نیلا رنگ
فضا میں بکھر گیا تھا
اس لڑکے نے
میز کے اوپر
پیپر ویٹ کے نیچے رکھ کر
اس کے پر ماچس سے جلائے
اور اس کا دھڑ
پنسل کاٹنے والے چاقو سے

دو حصوں میں بانٹ دیا تھا

وہ لڑکا تو چلا گیا
پر تیس برس سے
اس کا گندا چاقو میرے پاس ہے
اور چاقو پر
اس مٹیالے پیلے خون کے دھبے سے الجھن ہے
اور زباں پر ایک کسیلا پن ہے
اتنی تھکن ہے
نیند سے پاگل ہوں

سائے کا سفر

سرپٹ بھاگتے آدمیوں کے
سائے کٹ کر
ریل کے ڈبوں کی قبروں میں گرتے جائیں
ہانپتے پہیے
سمتوں کے گونگے ساگر میں
شور مچائیں
آنکھوں میں آنسو لہرائیں
ہونٹوں پر بوسے کمھلائیں
جان الجھتی جائے

سوچ رہا ہوں
اپنے دھیان کا پردہ کھینچ کے
سب چہروں کے چاند بجھا دوں
سب سمتوں اور سب رستوں کو چکمہ دوں
اور کہیں نہ جاؤں

پام کے پیڑ سے گفتگو

مجھے سبز حیرت سے کیوں دیکھتے ہو
وہی تتلیاں جمع کرنے کی ہوبی
ادھر کھینچ لائی
مگر تتلیاں اتنی زیرک ہیں
ہجرت کے ٹوٹے پَروں پر
ہوا کے دوشالے میں لپٹی
مرے خوف سے
اجنبی جنگلوں میں
کہیں جا چھُپیں ——

اور تھک ہار کر واپسی میں
سرکتے ہُوئے ایک پتھّر سے بچتے ہُوئے
اس طرف میں نے دیکھا
تو ایسا لگا
یہ پہاڑی کسی دیو ہیکل فرشتے کا جوتا ہے

تم کتھئی چھال کے تنگ موزے میں
اک پیر ڈالے
یہ جوتا پہننے کی کوشش میں لنگڑا رہے ہے . . . .
دوسری ٹانگ شاید
کسی عالمی جنگ میں اُڑ گئی ہے

مرا جال خالی
مگر دل مسرّت کے احساس سے بھر گیا
تم اسی بانکپن سے
اُسی طرح
گنجی پہاڑی پہ
اپنی ہری وِگ لگائے کھڑے ہو
یہ ہیئت کذائی جو بھائی
تو نزدیک سے دیکھنے آ گیا ہوں

ذرا اپنے پنکھے ہلا دو
مجھے اپنے دامن کی ٹھنڈی ہوا دو
بہت تھک گیا ہوں

بانجھ

میں تو باوری ہوئی
جسم میں کشود ہی،
خون میں نمود ہی نہیں
جیسے میرے درد کا وجود ہی نہیں

آن کی کمان ٹوٹنے لگی
جان چھوٹنے لگی
خواب ہیں
سراب ہیں
نرم نرم چھاتیاں
گرم گرم دودھ سے بھری ہوئی

صُبح کا شور

سفّاک الارم کلاک
کی خواب دوز آواز
اوس کی صورت
پتّی پتّی
نیند کے پھُول پر گر رہی تھی ——
سونے والے نے
آہستہ آہستہ
اپنی پلکوں کے
چمپئی پردے سرکائے
اور سورج مکھُی کی طرح
اس جگ مگ دریچے کی طرف نگاہ پھیری
جس پر دُھوپ کے ٹوٹے ہوئے سفید پَر
تیز ہوائیں پھڑپھڑا رہے تھے

اَچنبھا

رگوں میں شراب
آنکھوں میں تھکن
اور کمرے میں شام پھیر رہی تھی
اس نے آتش دان کی مرتی روشنی میں
ایک عجیب منظر دیکھا
بستر کے پاس
چائے کی میز پر
جو پرانا ریڈیو
متانت سے بیٹھا ہوا تھا
اس پر نم سُم نے
اور خبروں کی خون پاشی نے
ایک لمبا سا ایریل اُگا دیا تھا

ایک کُتّا نظم

پیارے
سات سال سے
اس ٹیلی ویژن پر
ہز ماسٹرس وائس کے
منکسر مزاج
اور بُرد بار کُتّے کی طرح
بے نیاز اور مطمئن اور بے خبر
دم سادھے بیٹھے ہوتے ہو

تمھارے قدموں کے نیچے
ایک حشر برپا ہے
جیتا جیتا لہو

ٹیلی ویژن کی شریانوں سے
پھُوٹ پھُوٹ کر
بَہ نکلا ہے

قالین بھیگ گئی ہے
صوفے تیر رہے ہیں
میں اپنے لہو میں ڈوب چلا ہوں
میری مدد کرو
بھونکتے کیوں نہیں
کُتّے کہیں کے ———

شیر امداد علی کا میڈک[1]

مگر تنگ نظر
مٹیالے تالاب میں
اُس ادھ کھلے کنول پر
وہ بہار تھی
جو دیکھنے والی آنکھوں میں دھنک کھلاتی ہے
پھر پانی کا بلاوا الگ تھا
اس ساحرانہ کشش سے ہار کر
اپنا تہمد اتار کر
وُہ مُردہ پانی میں کُود پڑے
جَل کُنبھی سے اُلجھے
تو ہفتے عشرے کے حَمل کی مانند
نرم اور خام سَروں والے
گل گتھنے
(صداکار میڈکوں کے
دُمدار بچّے)
شارک لہروں کے شور
سے ڈر کے

---

[1] میں نے مینڈک سے "ن" کو نکال دیا ہے کہ شاعروں کو اس قسم کی قطع و برید کی آزادی ہے۔ —— ساقی

فَرفَر ہر طرف بھاگ کھڑے ہوئے
اور شیر امداد علی گلے گلے پانی میں تھے
اور کنول دور تھا ——

بجلی چمکی
اور ایک دُمدار آب خوار
اس غبارے کی سُرعت سے
جس میں ہوا بھری ہو
اور ہاتھ سے چھوٹ جائے
چھپکلی کی تلوار زبان کی طرح
سَن سَن کرتا ہوا
ان کے کھلے منہ کی سرنگ میں اتر گیا ——

دن گزرے
اور موسم بدلے
اور جُگ بیت گئے

اک آواز تعاقب کرتی رہتی ہے:
"باہر آنے دو
اس زنداں سے باہر آنے دو"

درجنوں ڈاکٹروں اور سرجنوں کے
اکسرے کی خنک شعاعوں سے
جل کر دیکھ لیا
شہر بدل کر
مُلک بدل کر دیکھ لیا
مگر لہو میں
وہی صدا ہلکورے لیتی ہے
"باہر آنے دو
اس زنداں سے باھر آنے دو"

شیر امداد علی پانی کی امانت غصب کیے
اپنے گھر میں زنجیر ہوئے بیٹھے ہیں
باہر پانی کھڑا ہے
اور پانی میں
پیپل کے پتّوں کی طرح
سالے
شگیں آنکھوں والے
پیلے پیلے مینڈک
اپنا گھیرا ڈالے
پڑے ہوئے ہیں

ایک سوّر سے

وہ طلسمی دوپہر تھی
سانس لیتے گھاس کے میدان میں
سبز مٹی سے شعاعیں اُگ رہی تھیں
اور تم کرنوں میں
اپنے تھوتھنے گاڑے ہوئے
دندناتے پھر رہے تھے

میں تمہاری جان کا دشمن
انا کے ہش پپئی[1] جوتے پہن کر
اپنے کینے کا نیا کمپا لیے
برتری کے بنچ پر
مجوب سا بیٹھا ہُوا
اک پرانے جھوٹ سے
دامن چھُڑانا چاہتا تھا

[1] سوّر کی کھال سے بنے ہُوئے جُوتے ——— ساقی

پھڑ پھڑانا چاہتا تھا

میں نے دھیرے سے تمھیں آواز دی . . . .
آواز دی تو
اپنی ٹیڑھی میڑھی آنکھوں سے
مجھے تم نے عَجب عالم میں دیکھا تھا کہ بس
میں جی پڑا تھا
میری آنکھیں جگمگا اُٹھی تھیں
میرے اندر تتلیاں اُڑنے لگی تھیں

اور ملن کی اس گھڑی میں
اس سنہرے دن کے پس منظر میں
تم حیراں سے
اپنی دُھن میں
اپنی جاودان بدصورتی میں
ایک چیتے کی طرح سے خوب صورت لگ رہے تھے

ڈرتے ڈرتے
حیرتی رڈ انڈین امریکیوں کی طرح
دھرتی کی دھمک سُنتے ہوئے

تم پاس آئے

پاس آکر بے یقینی سے مجھے تکنے لگے تھے
میں تمھیں تسکین دینا——
——پھر سے بھَل منسی کا رشتہ جوڑ لینا چاہتا تھا
اور اپنے سنگ بستہ ہاتھ سے
جب تمھیں سہلا رہا تھا
اور تمھارے کھُردُرے بالوں میں
اپنی انگلیاں الجھا رہا تھا
ایک البیلی مسرّت
اک نئی لذّت ملی
وہ جو نفرت کی کمائی
دل کی تہ میں گڑ گئی تھی
ٹوٹتی جاتی تھی
میرے اندر کی کلیں کھُلنے لگی تھیں
میں پگھلتا جا رہا تھا

وہ ہماری دوستی ——،
وہ ہماری فتح مندی کا جنم دن ——،

وہ طلسمی دوپہر ———— ،
———— سانس لیتے گھاس کے میدان میں
سبز مٹی سے شعاعیں اُگ رہی تھیں

سسٹر ماریا تیریزا

یادِ بستر میں
تمنّا کے پُرانے آئینے کے سامنے
جسم کی ایذا دہی میں
رُوح کی خود لذّتی میں
کیا ملے گا؟
روز جیلی فش کی صورت
نارسی کے بادباں کھولے ہوئے
سبز گدلے سوگ ساگر میں
نئی لہریں بنانے
اور پانی کاٹنے میں
کیا ملے گا؟
اپنی تنہائی میں اک دن میری تنہائی ملا دو
میں ہی روحِ قُدس ہوں
نورِ ازل ہوں

دیر سے تم میں چھپا ہوں
جن دھنک لمحوں کو اپنے دھیان میں
زنجیر کر کے مطمئن ہو
میں اُنھی کا سلسلہ ہوں
اور تمھاری راز بستہ چھاتیوں ——
—— چاندی کٹوروں سے چھلکنا چاہتا ہوں
میں خدا ہوں

خرگوش کی سرگزشت

رقص

شام کھڑی ہے
بھوری جھاڑیوں ،
پیلی گھاسوں کے خیموں سے باہر نکلو
نرم ہوائیں بالوں کے جھالر سے گزرتی
لمبے لمبے کانوں میں خرگوشی کرتی ہیں
سُرخ کونپلیں

سبز پتّیاں
سانپ چھتریاں . . .

جنگل میں گودام کھُلا ہے پاگل
اپنے بیکل نتھنوں میں
اس خوشبو کا چھلّا ڈال کے رقص کرو
ہر خطرے کو چکمہ دو
چور چٹانوں کے نیچے

سو دروازے ہیں

کینسر پھولوں کے بستر ہیں
دھوم مچانے کو سارا میدان پڑا ہے

موت

اور تم اپنے شبستاں چھوڑ کر
اس بیاباں کے اندھیرے راستے پر
خون میں لت پت پڑے ہو
اس کی آخر کیا ضرورت تھی
وہاں پر تم جہاں کے حکمراں تھے
کیا نہیں تھا ؟
خواب کی دیوار کیونکر پار کرنا چاہتے تھے
اس تجسس میں کشش کیسی ہے
نامعلوم کو تسخیر کرنے کی تمنا کس لیے ہے
اس پرانی آرزومندی میں کیا ہے
اس خیاباں کے عقب میں
وہ جو پُراسرار دنیائیں بسی ہیں
وہ ہمیں کیوں کھینچتی ہیں ؟

مجھے جزیرہ ملے

میں وہ ماہ زدہ ہوں
جی کھو کر
چاندکرن کے مچھلی کانٹے میں نتھی ہو کر
بے حرکت
اک مُردہ لہر کی صورت
سطحِ آب پہ نیم معطل پڑا ہوا ہوں ——— ،

ہوا چلے تو مجھے ساحلوں کا بوسہ ملے

خالی بورے میں زخمی بِلّا

جان محمد خان

سفر آسان نہیں

دھان کے اس خالی بورے میں

جانْ الجھتی ہے

پٹ سن کی مضبوط ﷲ خیں دل میں گڑی ہیں

اور آنکھوں کے

زرد کٹوروں میں

چاند کے سِکّے چھَن چھَن گرتے ہیں

اور بدن میں رات پھیلتی جاتی ہے ——

آج تمھاری ننگی پیٹھ پر

آگ جلائے کون

انگارے دہکائے کون

جدّوجہد کے

خونیں پھول کھِلائے کون

میرے شعلہ گر پنجوں میں جان نہیں

آج سفر آسان نہیں

تھوڑی دیر میں یہ پگڈنڈی

ٹوٹ کے اک گندے تالاب میں گر جائے گی

میں اپنے تابوت کی تنہائی سے لپٹ کر

سو جاؤں گا

پانی پانی ہو جاؤں گا

اور تمھیں آگے جانا ——————

—— اک گہری نیند میں چلتے جانا ہے

اور تمھیں اُس نظر نہ آنے والے بورے ——

—— اپنے خالی بورے کی پہچان نہیں

جان محمّد خان

سفر آسان نہیں

بیساکھی

مری نظروں میں
آئندہ کے افسوس کے سائے لرزاں ہیں
مجھے قیدِ خوف سے رہا کرو
میں اپنے درد کی ننگی دُھوپ سے
گھنی تتلی مانگ کے ہار گیا
(اے درد مرا فیصلہ کرو)
مری خالی آنکھیں
منظر منظر بھٹک رہی ہیں
لڑکھڑا رہی ہیں

دَیا کرو
مجھے خوابوں کی بیساکھی دو

شاہ صاحب اینڈ سنز

شاہ صاحب خوش نظر تھے
خوش ادا تھے
اور روزی کے اندھیرے راستوں پر
صبر کی ٹوٹی ہوئی چپل پہن کر
اک للک اک طنطنے کے ساتھ سرگرمِ سفر تھے
اور جینے کے مرض میں مبتلا تھے
جو غذائیں دسترس میں تھیں
عجب بے نور تھیں
ان میں نموکاری نہ تھی
وہ جو موتی کی سی آب آنکھوں میں تھی
جاتی رہی
پتلیوں میں خون
کائی کی طرح جمنے لگا
رفتہ رفتہ
موتیا بند ان کے دیدوں پر

دیر سے تم میں چھپا ہوں
جن دَھنک لمحوں کو اپنے دھیان میں
زنجیر کر کے مطمئن ہو
میں اُنھی کا سلسلہ ہوں
اور تمھاری رازبستہ چھاتیوں ——
—— چاندی کٹوروں سے چھلکنا چاہتا ہوں
میں خُدا ہوں

خرگوش کی سرگزشت

رقص

شام کھڑی ہے
بھوری جھاڑیوں ،
پیلی گھاسوں کے خیموں سے باہر نکلو
نرم ہوائیں بالوں کے جھالر سے گزرتی
لمبے لمبے کانوں میں خرگوشی کرتی ہیں
سُرخ کونپلیں
سبز پتّیاں
سانپ چھتریاں . . .
جنگل میں گودام کھلا ہے پاگل
اپنے بیکل نتھنوں میں
اس خوشبو کا چھلّا ڈال کے رقص کرو
ہر خطرے کو چکمہ دو
چور چٹانوں کے نیچے
سو دروازے ہیں

ہنستے ہوئے روتے ہوئے لوگوں سے تھا
اس طرح ٹوٹا کہ جیسے شیر کی اک جست سے
زیبرے کی ریڑھ کی ہڈی چٹخ جاتی ہے
برسوں سے بے طرح بے کل رہے

— — — — — — — — —

— — — — — — — — —

ایک دن آنکھوں میں صحرا جل اٹھا
وہ خیال آیا کہ چہرا جل اٹھا
اپنے بیٹوں کو کلیجے سے لگایا
جی بھرا تھا ابر کی مانند روئے
رو چکے تو ایک مہلک آتشیں تیزاب کے
شعلۂ سفّاک سے
ان کی فاقہ سنج آنکھوں کو جلایا
جیسے گہری نیند میں ہوں اور سجدے میں گرے
جیسے اک سکتے میں ہوں
مدّتوں سے ان بیاباں راستوں پر
چار اندھے دوستوں کا ایک کورس گونجتا ہے:
"اے سخی شہرِ سخاوت میں گزر اوقات کر
اے نظر والے نظر خیرات کر"

غزل

خامشی چھیڑ رہی ہے کوئی نوحہ اپنا
ٹوٹتا جاتا ہے آواز سے رشتہ اپنا

یہ جُدائی ہے کہ نِسیاں کا جہنّم کوئی
راکھ ہو جائے نہ یادوں کا ذخیرہ اپنا

ان ہواؤں میں یہ سِسکی کی صدا کیسی ہے
بین کرتا ہے کوئی درد پرانا اپنا

آگ کی طرح رہے، آگ سے منسوب رہے
جب اسے چھوڑ دیا خاک تھا شعلہ اپنا

ہم اُسے بھول گئے تو بھی نہ پوچھا اُس نے
ہم سے کافر سے بھی جزیہ نہیں مانگا اپنا

یہ نیا دکھ کہ محبّت سے ہوئے ہیں سیراب
پیاس کے بوجھ سے ڈوبا نہ سفینہ اپنا

خوف یہ ہے کہ وفا راس نہ آجائے کہیں
اپنے احساس پہ کب داؤ چلے گا اپنا

تیرے انفاس سے خوشبوئے مسیحا آئی
ورنہ مٹی نے کوئی لعل نہ اگلا اپنا

جاں نثاروں سے ترا حسن لہو مانگتا ہے
ہجر اکرام سہی کام نہ نکلا اپنا

اشک موتی کی لڑی اور کوئی دھیان نہ دے
اپنے دامن میں رہے دفن خزانہ اپنا

جسم کی اوٹ سے نادان ڈراتا کیوں ہے
آج آسیب ہوا ذات پہ سایہ اپنا

کوئی منتر نہیں آتا کہ یہ جادو ٹوٹے
ایک مدت سے تعاقب میں ہے مردہ اپنا

عمرِ انکار کی دیوار سے سر پھوڑتی ہے
رنج یہ ہے اسے آیا نہ سلیقہ اپنا

ایک دن، رات کے اسرار کھلیں گے ہم پر
شک کی بوچھار سے چھلنی ہوا سینہ اپنا

خورد بینوں سے کئی داغ چھپاتے اپنے
غم گساروں نے کوئی بھید نہ پایا اپنا

اپنی کھوئی ہوئی آواز رسائی مانگے
جاں سے الجھا ہے کوئی نغمہ رسیلا اپنا

نیند وہ ریت کی دیوار کہ مسمار ہوئی
اپنی آنکھوں میں چھپا رکھا ہے صحرا اپنا

زندگی ایک گزرتی ہوئی پرچھائیں ہے
آئنہ دیکھتا رہتا ہے تماشا اپنا

برگِ آواز کی مانند اڑیں گے یہ پہاڑ
غرق ہو جائے گا پانی میں جزیرہ اپنا

خواب دیکھا تھا، بہم ہوں گے بچھڑنے والے
منہدم ہو گئے پر خواب نہ ٹوٹا اپنا

چاند کی طرح کئی داغ ہیں پیشانی پر
موت کے سامنے مہتاب ہے چہرا اپنا

غزل

چشمِ خالی میں قحطِ گوہر تھا
رزقِ دامن مگر میسّر تھا

ہر طرف ٹوٹ پھوٹ جاری تھی
ایک کہرام میرے اندر تھا

چھپ کے بیٹھا تھا وادیٔ جاں میں
سامنے دشمنوں کا لشکر تھا

ایک دوزخ تھا میرے سینے میں
جس سے چہرہ مرا منوّر تھا

تھی نگاہوں میں زندگی کی للک
موت کا ذائقہ زباں پر تھا

میری آنکھوں کے سامنے کوئی
سانس لیتا ہوا سمندر تھا

عمر طوفان سے عبارت تھی
ڈوب جانا مرا مقدّر تھا

غزل

یہ کیا کہ زہرِ سبز کا نشّہ نہ جانیے
اب کے بہار میں ہمیں افسانہ جانیے

جل جل کے لوگ خاک ہوئے نارِ خوف میں
یہ زندگی سَراب ہے، دریا نہ جانیے

یہ خواب نا تے درد ہمیں چشمۂ حیات
ہم لوگ سیر چشم ہیں پیاسا نہ جانیے

اپنے قدم کے ساتھ ہیں آسیب کے قدم
یہ کوچۂ حبیب ہے صحرا نہ جانیے

وہ سحرِ گورکن ہے بدن بدحواس ہیں
ہو تُتلیوں میں جان تو مُردہ نہ جانیے

غزل

یہ لوگ خواب میں بھی برہنہ نہیں ہوئے
یہ بدنصیب تو کبھی تنہا نہیں ہوتے

یہ کیا کہ اپنی ذات سے بے پردگی نہ ہو
یہ کیا کہ اپنے آپ پہ افشا نہیں ہوتے

ہم وہ صدائے آب کہ مٹی میں جذب ہیں
خوش ہیں کہ آبشار کا نغمہ نہیں ہوتے

وہ سنگ دل پہاڑ کہ پگھلے نہ اپنی برف
یہ رنج ہے کہ رازقِ دریا نہیں ہوتے

تیرے بدن کی آگ سے آنکھوں میں ہے دھنک
اپنے لہو سے رنگ یہ پیدا نہیں ہوتے

شاہ صاحب اینڈ سنز

شاہ صاحب خوش نظر تھے
خوش ادا تھے
اور روزی کے اندھیرے راستوں پر
صبر کی ٹوٹی ہوئی چپل پہن کر
اک للک اک طنطنے کے ساتھ سرگرمِ سفر تھے
اور جینے کے مرض میں مبتلا تھے
جو غذائیں دسترس میں تھیں
عجب بے نور تھیں
ان میں نموکاری نہ تھی
وہ جو موتی کی سی آب آنکھوں میں تھی
جاتی رہی
پتلیوں میں خون
کائی کی طرح جمنے لگا
رفتہ رفتہ
موتیا بند ان کے دیدوں پر

غزل

خاک نیند آئے اگر دیدۂ بے دار ملے
اس خرابے میں کہاں خواب کے آثار ملے

اس کے لہجے میں قیامت کی فسوں کاری تھی
لوگ آواز کی لذّت میں گرفتار ملے

اس کی آنکھوں میں محبّت کے دیے جلتے رہیں
اور پندار میں انکار کی دیوار ملے

میرے اندر اسے کھونے کی تمنّا کیوں ہے
جس کے ملنے سے مری ذات کو اظہار ملے

روح میں رینگتی رہتی ہے گنہ کی خواہش
اس امر بیل کو اک دن کوئی دیوار ملے

غزل

خواب کو دن کی شکستوں کا مداوا نہ سمجھ
نیند پر تکیہ نہ کر شب کو مسیحا نہ سمجھ

ہجر کے شہر میں گلزار کہاں ملتے ہیں
صبح کو دشت سمجھ، شام کو ویرانہ سمجھ

میں کہیں اور کا ٹوٹا ہُوا تارہ ہوں کوئی
تو مجھے اپنے ستاروں سے الجھتا نہ سمجھ

مجھ پہ کھُل جا کہ مرے دل میں کوئی پیچ پڑے
اپنی تنہائی کے اسرارِ زلیخا نہ سمجھ

راستہ دے کہ محبت میں بدن شامل ہے
میں فقط روح نہیں ہوں مجھے ہلکا نہ سمجھ

غزل

ہم تنگ نائے ہجر سے باہر نہیں گئے
تجھ سے بچھڑ کے زندہ رہے، مَر نہیں گئے

آج اپنے گھر میں قید ہیں، اُن سے حجاب ہے
جو گھر سے بے نیاز ہوئے، گھر نہیں گئے

اپنے لہو میں جاگ رہی تھی نمو کی آگ
آنکھوں سے اس بہار کے منظر نہیں گئے

اُس پر نہ اپنے درد کی بے قامتی کھُلے
ہم اس دراز قد کے برابر نہیں گئے

ساقی اس ایک رات کی بے حُرمتی کے بعد
اچھا ہُوا کہ سوئے ستمگر نہیں گئے

غزل

ایک دن ذہن میں آسیب پھرے گا ایسا
یہ سمن زار نظر آئے گا صحرا ایسا

میں نے کیا رنج دیے اشک نہ لوٹائے مجھے
اے مرے دل کوئی بے فیض نہ دیکھا ایسا

ایک مدّت سے کوئی لہر نہ اُٹھی مجھ میں
میری آنکھوں سے چھپا چاند کا چہرا ایسا

رات کہتی ہے ملاقات نہ ہو گی اپنی
تو کوئی خواب نہ میں نیند کا ماتا ایسا

جسم کی سطح پہ کاغذ کی طرح زندہ ہیں
تو سمندر رہے نہ میں ڈوبنے والا ایسا

تیرے چہرے پہ اجالے کی سخاوت ایسی
اور مری روح میں نادار اندھیرا ایسا

ہر نئے درد کی پوشاک پہن لی میں نے
جاں مہذّب نہ ہوئی مَیں تھا برہنہ ایسا

بیچارے اکیلے اشعار

یہ رستہ بدلنا پڑے گا، بدن سے نکلنا پڑے گا
عجب لمس کی قید میں ہُوں، مجھے کنجِ لذت بلا ہے

بلاتا ہے کوئی، جدائی کے نغمے سناتا ہے کوئی
یہ وہ منزلِ ذات آئی کہ تیری نفی بھی روا ہے

یہ بیتاب موجیں اُڑیں گی وُہ طوفان آئے گا اک دن
مجھے چاند کھینچے گا اک دن کہ مجھ میں سمندر چھپا ہے